میر کا فن اور فلسفہ

ڈاکٹر محمد لقمان

Dr. Muhammad Luqman

Senior Subject Specialist, Department of Education,

Distt:Jhang.

Abstract:

Mir Taqi Mir was a great poet, saint and Philosopher of subcontinent. He is renown as "God of Poetry" in Urdu Literature specially in the History of "Urdu Ghazal". His poetry is real expression of grief and bereavement.He illustrated experiences of love, amour, affliction and commiseration in his poetry with great integrity and simplicity. A beautiful adulteration of philosophy, mysticism and realism is present in his cogitation. Emotions of wistfulness, distress and torment in his poetry are the deduction of his personal and social life. His poetry is distinguished anthology of lunacy, infatuation, esctasy, sense of separation, wisdom and allurement. Due to these peculiarities Mir is conceded the "Artist of pathos" in Urdu poetry.

خدائے سخن میر تقی میر زمان ومکان کی حدود وقیود سے آزاد ایک آفاقی شاعر ہیں۔ان کی آفاقیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر عہد اور علاقے کے افراد کو ان کے کلام میں اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں، جہاں جہاں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔میر کی شاعری کے کئی رنگ اور رُخ ہیں۔بعض ناقدین نے میر کے شدتِ جذبات،نشاطیہ اور جمالیاتی پہلو کو نظر انداز کر کے صرف ان کی شاعری کے سماجی ومعاشرتی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔کسی نے ان کے فلسفہ حسن وعشق کو جنس سے تعبیر کیا ہے تو کسی نے ان کی فکر کے دھاروں کو تصوف کے دائروں تک محدود کر دیا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر ایک ہمہ گیر، پہلو دار اور زندہ شخصیت کا نام ہے۔ان کے ہاں تجربات کا اظہار سادگی اور راست بازی سے ملتا ہے۔وہ غموں سے چور ایک مصورِ غم،خودی سے سرشار ایک متوکل صوفی، نا آسودہ عشق سے بے حال ایک عاشق صادق، سادگی و پرکاری سے معمور ایک معصوم انسان،کبھی و شوخ وشریر اور کبھی طنز ومزاح سے اپنے فن میں جان ڈال دیتا ہے۔راشد آزر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ”میر کے کلام میں کئی رنگ ہیں جو بعد میں کسی نہ کسی بڑے شاعر کے کلام میں ملتے ہیں۔میر نے کسی ایک طرز اظہار کو نہیں اپنایا لیکن پھر بھی ہم اس کو دوسرے سے الگ پہچان سکتے

ہیں۔''(۱)

میر کی فکر میں فلسفہ اور تصوف کی خوب صورت آمیزش موجود ہے۔ان کی فکر ان کے احساس میں تہہ نشیں ہے۔ان کا احساس حقیقت سے جنم لیتا ہے۔انھوں نے تصوف اور تغزل، مجاز اور حقیقت کو باہم مدغم کر دیا ہے۔ان کے تصوف کا اصل مقام عشق و محبت ہے۔تصوف میں ادراک کا مرکز دل ہے۔تمام واردات اور جذبات کا مسکن بھی یہی ہے۔ان کے جذبات کا اظہار اور فکر کے انعکاس کا طریقہ منفرد ہے،خواجہ احمد فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''تصوف کا اثر ان کے کلام میں نظر آتا ہے۔ان کی فنکارانہ صلاحیتیں غیر معمولی تھیں،اس لیے انھوں نے متصوفانہ حقائق و معارف کو بھی اس خوبی کے ساتھ آب و رنگِ شاعری میں سمو کر پیش کیا ہے کہ دل و نظر جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔''(۲)

اس حوالے سے میر تقی میر لکھتے ہیں:

میر اس بے نشاں کو پایا جان
کچھ ہمارا اگر سراغ لگا(۳)

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میر
پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں پڑی(۴)

دکھائی دے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے(۵)

میر کی غزلیات ذاتی اور سماجی زندگی سے جو تصاویر ابھرتی ہیں ان سب کا نمایاں وصف حسرت و یاس اور غم و ناکامی کے جذبات کا اظہار ہے۔دکھ درد کے اس مرکزی احساس کی بنا پر انھیں مصورِ غم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ان کی زبان اور بیان آہ و فغاں میں ڈوبا ہوا بلکہ پوری شاعری پر درد و غم کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔انھوں نے شاعری نہیں کی غم و درد کے نوحے لکھے اور درد و غم جمع کیے۔اسی بنا پر میر لکھتے ہیں:

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیا جمع تو دیوان کیا(۶)

میر کے لفظی پیکروں سے ایک احساس ابھرتا ہے کہ انھوں نے یہ تصویریں رنج و غم کے لہو میں جذبات کا قلم ڈبو کر بنائی ہیں۔ان تصویروں کا عکس شعوری بھی ہے اور لاشعوری بھی۔ان لفظی پیکروں کی تراش خراش اور نوک پلک سنوارنے کا فن بھی ان کا اپنا ہے اور یہی میر کا بے مثال فن ہے۔میر کے دل سے نکلی ہوئی ہر آہ شعر کا درجہ رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام دلوں میں اثر اور سینے میں درد پیدا کرتا ہے۔ان کی زندگی کی تلخ کامیاں اور عشق کی ناکامیاں ہی ان کے کلام میں غم و دکھ پیدا کرنے کا سبب ہیں۔غموں سے چور میر بیچارگی کا پیکر ضرور تھا لیکن مخالف حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔وہ بلا کا حسن پرست، عاشق صادق اور خود شناس مفکر تھا۔امیر حسن نورانی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''میر کے کلام میں رنج و غم، مایوسی و فاداری کے جذبات بڑے موثر انداز میں ملتے ہیں۔

چوں کہ ان کو زندگی میں غموں سے زیادہ واسطہ رہا، اس لیے ان کا کلام غم کا ترجمان بن گیا۔
ان کے یہاں جذبات غم میں خلوص اور سچائی ہے۔ اس لیے اشعار میں درد اور تاثیر
ہے۔''(۷)

میر تقی میر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا(۸)

غم رہا جب تک دم میں دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا(۹)

گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے ہی جوں شمع گل گیا(۱۰)

بوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں
شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا(۱۱)

دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا(۱۲)

میر کے کلام کا بنیادی عنصر اظہارِ غم ہے۔ اظہارِ غم کے خاندانی، سماجی، معاشی اور جذباتی اسباب ہیں۔ ہندوستان میں پھیلی ہوئی بدامنی سے ہر خاص و عام کے ساتھ میر بھی پریشاں حال تھے۔ والد کے انتقال کے بعد میر غمزدہ رہنے لگے، بڑے بھائی حافظ محمد حسن کے خراب برتاؤ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ فکر معاش اور بے روزگاری بھی غم کی ایک وجہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کے پُرشورش سیاسی حالات نے میر کے غم کو اور زیادہ بڑھا دیا اور وہ رنج و غم کی تصویر بن کر رہ گئے۔ امیر حسن نورانی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''میر کی زندگی مصیبتوں اور تکلیفوں میں گزری اس لیے ان کے کلام میں غم اور مایوسی کے اثرات غالب ہیں۔ سوز اور درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ عشق و محبت کے کوچے بھی میرے کے دیکھے بھالے تھے، انھوں نے محبت کے چر کے سہے تھے۔''(۱۳)

میر تقی میر غم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

دل دینے کی ایسی حرکت ان نے نہیں کی
جب تک جیئے گا میر پشیماں رہے گا(۱۴)

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا(۱۵)

دلی میں آج بھیکھ بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا(۱۶)

دانستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حاصل
تم دردِ دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا(۱۷)

میر نے عشق ومحبت کے جذبات کو بڑی صداقت اور واقعیت سے بیان کیا ہے۔انھوں نے محبت کے تجربات کو خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر بیان کیا ہے۔میر کا محبوب سیماب صفت ہے۔وہ مختلف اداؤں،نرم گفتار،ترش رو،دل آزار اور دل دار کا مالک ہے۔اسی لیے میر کے مزاج میں بھی تلخ وشیریں اور ہنگامہ وسکون جیسے تضادات پائے جاتے ہیں۔میر اپنے محبوب کی شخصیت کو پہلودار کردار کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ان کے لیے عشق ومحبت باعث آزار نہیں باعث کیف وسرور بھی ہے۔ان کی گرفتاریِ محبت میں حسن پرستی بھی ہے اور سلیقہ شعاری بھی۔میر نے محبوب کا جو پیکر شاعری میں تراش کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے،وہ خیالی نہیں بلکہ اصلیت پر مبنی ہے۔وہ عشق میں تکلف اور شوخی کی بجائے سپردگی اور سادگی کے قائل ہیں۔انھوں نے محبوب سے ٹوٹ کر عشق کیا اور اس عشق میں جنون کے ساتھ ساتھ بے باک صداقت بھی ہے۔ان کا تجربہ وصال قربِ بدن نہیں بلکہ مبنی برتہذیب وسلیقہ تھا۔انھوں نے اپنی دیوانگی اور احساس جنون پر کبھی بھی ندامت یا تاسف کا اظہار نہیں کیا۔انھوں نے اپنی زندگی کی جملہ خوبیوں اور کمزوریوں کا بلا جھجک احاطہ کیا اور زندگی کی ہر واردات اور ہر تجربہ کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔راشد آزر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''میر کے نجی مسائل ،عشق میں ناکامی، نفسیاتی بحران، جنون کا عالم،حسن فریفتگی،عشق آسودگی،جذبات سیرابی، داغِ فراق،لذتِ وصل، بے خودی، ہوشیاری، دیوانگی،فرزانگی، دردمہجوری،قربِ بدن یہ سارے نجی تجربے اپنی پوری دل گدازی اور دل نوازی کے ساتھ مسلم ہیں۔''(۱۸)

میر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ہم نے جانا تھا لکھے گا کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا(۱۹)

ہم بے خود ان محفل تصویر اب گئے
آئیندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا(۲۰)

دیکھا جو میں نے یار تو وہ میر ہی نہیں
ترے غم فراق میں رنجور ہو گیا(۲۱)

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے ترا نام وہ بے تاب سا ہوا(۲۲)

میر کی تلخ کامیاں اور ناکامیاں ان کے حوصلے اور عزم کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہیں ۔ وہ رنج والم اور محرومی میں صبرو استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انھوں نے عشق کیا اور انتہا کا عشق کیا۔ دردمندی عشق کا لازمہ ہے۔ انھوں نے غم عشق سے لذت کشید کر کے اس سے جینے کا ایک نیا ڈھنگ سیکھا اور ان کے ہاں جگر چاکی اور قلب شکنی کے باوجود زندگی کی چاہت موجود ہے۔ وہ صبر وضبط سے ناگفتہ بہ حالات کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور یہی میر کا فن ہے جو انھیں دیگر غزل گو شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''میر نے غم عشق اور غم آفاق کو مردانہ وار اٹھایا۔ وہ ڈوب کر بھی ابھر سکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی آگے چلنے کا عزم رکھتا ہے۔ اس کے غم میں ایک سنبھلی ہوئی کیفیت، ضبط اور خودداری کا احساس اور مقابلہ کی ہمت و توانائی ہے۔ غم ان کی روایت نہیں، زندگی کی حکایت ہے۔''(۲۳)

انسانی دکھ اور غم نامساعد حالات و واقعات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ میر کا بھی داخلی اور خارجی لحاظ سے ناموافق حالات سے پالا پڑتا رہا۔ لیکن ان کی خودی اور اُولوالعزمی نے حالات کے دھارے میں بہنے کی بجائے عزم و جزم سے حالات کا رخ اپنی مرضی سے موڑا۔ ان کا عزم پہاڑوں سے بلند اور صبر سمندروں سے گہرا تھا۔ وہ غم کی دہکتی آگ سے کندن بن کر نکلے۔ غم ان کے لیے حیات افروز اور صبر ان کے لیے رازِ ابدیت تھا۔ خودی، اعلیٰ ظرفی، اولوالعزمی، عشق و محبت اور ہمدردی کے جذبات سے مزین میر اپنی شاعری میں فاتح غم کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہیں اور انسان کو زندگی کے اسرار و رموز سے آگاہی بخشتے ہیں۔ حالات کے کرب و اضطراب کے باوجود ان کے ہاں تسکین و قرار کی ایک ٹھہری ہوئی کیفیت ملتی ہے۔ ان کے غم میں گہرائی، سوز میں سنجیدگی اور فکر میں اثبات پایا جاتا ہے۔ عظمتِ انسانی ان کا مقصدِ حیات ہے۔ خواجہ احمد فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''میر کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان غمزدہ رہے یا دل شاد لیکن کسی کا دل نہ دکھائے اور دنیا میں ایسا کام کر چلے کہ اس کا نام دیر تک باقی رہے۔''(۲۴)

راشد آزر اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''میر اپنی خودی پر نازاں بھی ہے، اپنی سپردگی سے سرور بھی ہے، محبوب کی پرستش بھی کرتا ہے، خود کو معبود بھی جانتا ہے، وہ مفکر بھی ہے، مست و بے خود بھی ہے، غم سے نڈھال بھی ہے، مسرت سے سرشار بھی ہے لیکن میر وحشت میں بھی بے ادبی کا مرتکب نہیں ہوتا۔''(۲۵)

میر تقی میر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

بہت دنوں سے دردِ نے میں اضطراب سا تھا
جگر تمام ہوا خون تب قرار ہوا(۲۶)

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا(۲۷)

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا(۲۸)

دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی
اپنے نا حق میں سب اور ہنر مت پوچھو(۲۹)

آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام
سینہ چاک و دل پژ مردہ مژہ تم سے بھی(۳۰)

میر کے کلام میں رکھ رکھاؤ، راست گوئی، خلوص ومتانت، سادگی وآزادہ روی ہی ان کی شخصیت کا امتیازی وصف ہے۔ان کا ایک ایک شعران کے تجربات اور واردات کا ایسا دلآویز بیان ہے جو دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔ان کے تجربے سے تخیل اور تخیل سے اظہار کی صورت ان کے خلوص اور خونِ جگر کی مرہون منت ہے۔وہ نادر خیالات کوحقیقت کا روپ دے کر ایسے پیش کرتے کہ شعرواقعیت کا شاہکار بن جاتا ہے۔میر کا فن ان کے تفکر اور تصورات کا باسلیقہ اظہار ہے۔ان کے فن کا ان کی شخصیت سے الگ کر کے تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔فن ہی کسی فنکار کی شخصیت کا حقیقی پرتو اور عکس ہوتا ہے۔میر کا کلام ہی ان کے شاعرانہ آرٹ کی عملی صورت اور سیرت کا آئینہ دار ہے۔

حوالہ جات

۱۔ راشد آزر، میر کی غزل گوئی، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۹۱ء،ص:۱۳
۲۔ احمد فاروقی، خواجہ، پروفیسر، میرتقی میر حیات اور شاعری، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۴ء،ص:۳۳۲
۳۔ میرتقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء،ص:۱۱۹
۴۔ ایضاً،ص:۴۰۴
۵۔ ایضاً،ص:۴۳۷
۶۔ ایضاً،ص:۷
۷۔ امیر حسن نورانی، میرتقی میر حالات زندگی اور انتخاب کلام، لکھنؤ: نول کشور بک ڈپو، ۱۹۵۷ء،ص:۱۷
۸۔ میرتقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق،ص:۲۷
۹۔ ایضاً،ص:۲۱

۱۰۔ ایضاً،ص:۳۲

۱۱۔ ایضاً،ص:۳۷

۱۲۔ ایضاً،ص:۵۷

۱۳۔ امیر حسن نورانی، میر تقی میر حالات زندگی اور انتخاب کلام، ص:۱۶

۱۴۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، ص:۱۸

۱۵۔ ایضاً،ص:۵۳

۱۶۔ ایضاً،ص:۵۶

۱۷۔ ایضاً،ص:۵۷

۱۸۔ راشد آزر، میر کی غزل گوئی، دہلی: ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء، ص:۴۷

۱۹۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، ص:۶۷

۲۰۔ ایضاً،ص:۷۹

۲۱۔ ایضاً،ص:۸۳

۲۲۔ ایضاً،ص:۱۱۱

۲۳۔ احمد فاروقی، خواجہ، میر تقی میر حیات اور شاعری، ص:۴۹۲

۲۴۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، ص:۳۳۵

۲۵۔ راشد آزر، میر کی غزل گوئی، ص:۱۳

۲۶۔ احمد فاروقی، خواجہ، میر تقی میر حیات اور شاعری، ص:۱۱۷

۲۷۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، جلد اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، ص:۱۲۱

۲۸۔ ایضاً،ص:۱۴۰

۲۹۔ ایضاً،ص:۱۵۱

۳۰۔ ایضاً،ص:۲۳۳

☆......☆......☆